Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

The Intellectual and Spiritual Training System of Sufism in the Light of Maktubat-e-Mujaddidiya: An Analytical Study

مکتوباتِ مجددیہ کی روشنی میں تصوف وسلوک کا فکری نظام: ایک تحقیقی جائزہ

Dr. Wajahat Khan
Lecturer Islamic Studies, University of Kotli, AJ&K
Wajahat_iiui@yahoo.com
Dr. Naveed Altaf Khan
Lecturer, Department of Shariah, Faculty of Shariah & Law,
International Islamic University, Islamabad

Abstract

his research paper analytically explores the intellectual and spiritual training system of Sufism as presented in the *Maktubat* (letters) of Imam Rabbani, Mujaddid Alf Thani (Shaykh Ahmad Sirhindi). It highlights how Imam Rabbani developed a balanced Sufi framework rooted in the principles of Shariah and aimed at inner purification (*tazkiyah al-nafs*). The paper focuses on his reinterpretation of metaphysical doctrines, particularly his transition from *Wahdat al-Wujud* (Unity of Being) to *Wahdat al-Shuhud* (Unity of Witnessing), offering a more orthodox and Shariah-compliant understanding of divine reality. It also examines his insights on the spiritual path, including the awakening of *lata'if* (spiritual centres), the distinction between *'Aalam al-Amr* and *'Aalam al-Khalq*, and the gradual spiritual ascent toward divine proximity.

Furthermore, the study discusses the pedagogical and reformative role of the *Maktubat*, which address seekers at all spiritual levels. It also outlines his stance on *kashf* (unveiling) and *karamat* (miracles), affirming that these phenomena are secondary in Sufism and subject to Shariah. Imam Rabbani's intellectual legacy, as embodied in the *Maktubat*, stands as a landmark contribution to Islamic spirituality, combining scriptural orthodoxy with profound spiritual insight.

Keywords: Imam Rabbani, Maktubat, Sufism, Tazkiyah, Wahdat al-Wujud, Wahdat al-Shuhud, Naqshbandi Order, Lata'if, Shariah and Tasawwuf, Kashf, Karamat

تعارف

مجدد الف ثانی[1] کا اصل نام شیخ احمد سرہندی تھا، ان کی پیدائش 1563ء میں سرہند کے مقام پر ہوئی۔ اکتیس واسطوں کے ذریعے ان کا نسب حضرت عمر فاروقؓ سے ملتا ہے۔ ان کے جد سادس، امام رفیع الدین، کابل سے، ہندوستان تشریف لائے اور سرہند میں سکونت اختیار کی۔ ان کے والد، شیخ عبد الاحد، اپنے زمانے کے جید عالم اور صاحبِ تقویٰ بزرگ تھے۔ ابتدائی عمر میں مجدد الف ثانی نے قرآن مجید حفظ کیا گیا، بیشتر دینی علوم پنے والد گرامی سے حاصل کیے، مزید حصول علم کے لیے انہوں نے سیالکوٹ کا

سفر اختیار کیا گیا، جہاں مولانا کمال الدین کشمیری، مولانا یعقوب کشمیری[2] اور قاضی بہلول بدخشی سے علومِ نقلیہ و عقلیہ حاصل کیے۔[3]

روحانی تربیت، اصلاحِ امت اور تصوف میں خدمات

روحانی تربیت اور اصلاح باطن کے لیے مجدد الف ثانی نے سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ قادریہ میں میں اپنے والد کے ہاتھ بیعت کی، سلسلہ کبرویہ میں انہوں نے شیخ حسین خوارزمی کبروی کے خلیفہ اور اپنے استاد مولانا یعقوب کشمیری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ سلسلہ نقشبندیہ میں انہوں نے حضرت باقی باللہ کے زیرِ تربیت سلوک و طریقت کی منازل طے کیں اور خلافت حاصل کی۔[4]

حضرت باقی باللہؒ سے تصوف و طریقت میں اکتسابِ فیض کے بعد، مجدد الف ثانیؒ نے سرہند کا رخ کیا اور دینِ اسلام کی اشاعت و ترویج میں سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے شریعت کی سربلندی کو مقصدِ اول قرار دیا، بدعات کے خلاف مؤثر آواز بلند کی اور شریعت و تصوف کے مابین توازن قائم کیا۔ وحدت الوجود کو سالک کے ابتدائی مرحلے کا مقام قرار دیتے ہوئے، اس سے بلند تر اور مکمل نظریہ، یعنی وحدت الشہود پیش کیا۔ وہ فقہ، حدیث، تفسیر اور تصوف کے میدانوں میں یکساں مہارت اور کامل دسترس رکھتے تھے۔ انہوں نے مجددی نقشبندی سلسلے کی بنیاد رکھی، جو نہ صرف ہندوستان میں پھیلا بلکہ ان کے خلفا کے ذریعے حجاز، شام، عرب، روم اور ماوراء النہر تک پہنچا۔ شہنشاہ اکبر کے دور میں توحید و سنت کے تحفظ کے لیے انہوں نے بھرپور جدوجہد کی، جو تاریخِ اسلام کا ایک روشن باب بنی۔[5]

مجدد الف ثانی نے اصلاحِ امت کا ایک مؤثر ذریعہ اپنے مکتوبات کو بنایا۔ ان مکتوبات کو کتبِ تصوف میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ ان کے بعض مکتوبات کو معاندین نے کج فہمی کی بنیاد پر متنازع بنایا اور شہنشاہ جہانگیر کو ان کے خلاف اکسایا۔[6] مجدد الف ثانی بادشاہ کے دربار میں پیش ہوئے انہوں نے سجدۂ تعظیمی اور غیر شرعی رسوم و آداب کی ادائیگی سے انکار کیا، اگرچہ بادشاہ کے اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا؛ تاہم شہنشاہ جہانگیر نے ان کے مریدین و معتقدین کی بڑھتی ہوئی تعداد کو اپنے اقتدار کیلئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے انہیں گوالیار کے قلعے میں قید کروا دیا۔[7] وہ چند سال تک اس جگہ محبوس رہے۔ بعد ازاں، بادشاہ نے نادم ہو کر انہیں رہا کیا اور اپنے لشکر میں شامل رکھا۔ اپنے وصال سے ایک سال پہلے وہ سرہند واپس تشریف لائے۔[8] بظاہر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ قید و اسیری اور لشکر میں شمولیت کے دوران بھی انہوں نے دعوتِ دین کا کام جاری رکھا۔ وقت کے گزرنے کے ساتھ غالباً جہانگیر کا ان کے بارے میں طرزِ عمل بتدریج نرم ہوتا گیا۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد اس بارے میں لکھتے ہیں:

"مجدد الف ثانی کی کوششیں عہد جہانگیری میں بار آور ہوئیں جب کہ جہانگیر نے امورِ مذہبیہ و حکومت میں مشورہ کے لیے علما کا ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس طرح حکومت میں غیر مسلموں کا اثر ورسوخ کم ہوا، چنانچہ اس کے بعد اسلام کو مسلسل فروغ ہوتا رہا

حتی کہ دور عالمگیری میں حضرت مجدد کے صاحبزادگان کی مساعی نقطہ عروج پر پہنچ گئیں۔ اورنگزیب عالمگیر حضرت مجدد کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے مرید اور ان کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین کے فیض یافتہ تھے۔" [9]

مکتوبات امام ربانی کی خصوصیات

تصوف و سلوک کی تاریخ میں *مکتوباتِ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ* کو خاص مقام حاصل ہے[10]۔ یہ مکتوبات نہ صرف روحانی تربیت کا نادر نمونہ ہیں بلکہ فکری پختگی، اصلاحِ عقیدہ، اور اجتماعی شعور کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ مجدد الف ثانیؒ نے انہیں اپنے خلفا، متعلقین اور سالکین کی باطنی اصلاح اور رہنمائی کے لیے تحریر کیا۔ ان مکتوبات کی انفرادیت ان کی وسعتِ موضوع، اسلوب کی حکمت، اور مخاطبین کی استعداد کے مطابق ترتیب میں مضمر ہے۔ زیرِ نظر سطور میں ان مکتوبات کی نمایاں خصوصیات اور ان کے ذریعے مجدد الف ثانیؒ کی تعلیماتِ تصوف و سلوک کا جائزہ لیا جائے گا۔

مکتوباتِ امام ربانی فارسی زبان میں تحریر کردہ ہیں اور یہ تین دفاتر پر مشتمل ہیں۔ پہلا دفتر "دارالمعرفت" کہلاتا ہے، جس میں تین سو تیرہ مکتوبات شامل ہیں۔ یہ تعداد اصحابِ بدر اور انبیاو مرسلین کی تعداد کے مطابق رکھی گئی ہے۔ اس دفتر کو مولانا یار محمد جدید طالقانی نے مرتب کیا ہے۔ دوسرا دفتر خواجہ عبدالحئی حصاری کی ترتیب ہے، جس میں اسمائے حسنیٰ کی مناسبت سے ننانوے مکتوبات شامل کیے گئے ہیں۔ تیسرا دفتر "دارالخلائق" کے نام سے موسوم ہے، جسے حضرت ہاشم کشمی نے مرتب کیا۔ اس دفتر میں قرآنِ مجید کی سورتوں کی تعداد کے مطابق ایک سو چودہ مکتوبات شامل کیے گئے ہیں۔[11] مجموعی طور پر پانچ سو چھتیس مکتوبات میں سے صرف ایک مکتوب کا مخاطب خاتون ہے، باقی تمام مکتوبات مردوں کے نام ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کو عام فہم بنانے کے لیے مختلف اہلِ علم نے ان پر شروحات اور تلخیصات تحریر کی ہیں، جن کی بدولت استفادہ کا دائرہ وسیع ہوا ہے۔ ان مکتوبات کا ترجمہ اردو، فارسی اور انگریزی زبانوں میں ہو چکا ہے، اور کئی اسکالرز نے ان پر تحقیق کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ علمی حلقوں میں ان مکتوبات کے دروس کا سلسلہ بھی جاری ہے۔[12]

امام ربانی مجدد الفِ ثانیؒ نے یہ مکتوبات اپنے متعلقین، خلفا اور سالکینِ طریقت کے لیے تحریر کیے ہیں۔ ان مکتوبات میں تصوف و سلوک کے تمام درجات یعنی مبتدی، متوسط اور اعلیٰ درجے کے سالکین کے لیے رشد و ہدایت کا وافر سامان موجود ہے۔ بعض مکتوبات کی زبان اور موضوعات اس قدر عام فہم ہیں کہ ایک عام قاری بھی ان سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اس کے برعکس بعض مکتوبات ایسے بھی ہیں جن میں تصوف و سلوک کی درمیانی سطح کے مباحث موجود ہیں، جن سے ایک متوسط درجے کا سالک کچھ ذہنی مشقت کے بعد فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسی طرح، بعض مکتوبات تیسرے درجے کے بھی ہیں جن میں علمی معیار نہایت بلند ہے۔ ان میں تصوف کے دقیق مقامات، رموز و اسرار، اور گہری معرفت پر مباحث پیش کیے گئے ہیں۔ ان مکاتیب سے ان افراد

کو خاص طور پر فائدہ ہوتا ہے جو تصوف، تزکیہ نفس، اور سلوکِ الی اللہ میں بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ یوں یہ مکتوبات نہ صرف علمی و روحانی خزانہ ہیں، بلکہ ہر سطح کے سالک کے لیے رہنمائی کا روشن مینار بھی ہیں۔

مکتوبات کا مطالعہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ امام ربانیؒ نے انہیں افراد کی ذہنی استعداد، باطنی کیفیات اور سماجی پس منظر کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت حکمت اور دانائی کے ساتھ مرتب کیا۔ مثلاً، حمید بنگالی کے نام لکھے گئے مکتوبات میں ایسی علمی و روحانی گہرائیاں پائی جاتی ہیں جو امام ربانیؒ نے بہت کم دیگر افراد کے لیے اس انداز میں بیان کی ہیں۔ اسی اندازِ حکیمانہ کا ایک اور مظہر شیخ فرید الدین کو لکھے گئے مکتوبات میں نظر آتا ہے۔ چونکہ وہ شاہی دربار سے وابستہ تھے، اس لیے ان کے لیے بھیجی گئی تحریروں میں صرف باطنی تربیت پر اکتفا نہیں کیا گیا، بلکہ ان کی سرکاری حیثیت کے مطابق عملی ذمہ داریوں کی طرف بھی رہنمائی کی گئی۔ امام ربانیؒ نے ان پر زور دیا کہ وہ شاہی دربار میں کفار کے غیر ضروری اثر ورسوخ کو محدود کریں اور شریعت کے نفاذ میں بھرپور کردار ادا کریں۔

امام ربانیؒ کے مکتوبات بنیادی طور پر تصوف و سلوک سے متعلق ہیں، تاہم ان میں عقائد، شریعت اور اخلاقی تعلیمات جیسے اہم موضوعات پر بھی گہری روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ مکتوبات خصوصاً سلسلۂ نقشبندیہ کے وابستگان کے لیے آئینی اور راہنما حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان مکتوبات میں بعض اوقات ایک ہی موضوع پر متعدد خطوط تحریر کیے گئے ہیں، جس سے بظاہر تکرار محسوس ہوتی ہے، لیکن درحقیقت یہی تکرار وضاحت، تاکید اور تشریح کا کام دیتی ہے۔ جہاں ایک مکتوب میں کوئی بات اجمالاً بیان کی گئی ہے، وہاں دوسرے مکتوب میں اسی بات کو تفصیل سے واضح کیا گیا ہے۔ امام ربانیؒ کا یہی اسلوب ان مکتوبات کو صرف فکری و روحانی گہرائی ہی نہیں بخشا بلکہ انہیں تربیتِ باطن اور اصلاحِ نفس کا ایک مربوط، متوازن اور مؤثر نصاب بنا دیتا ہے۔

مکتوبات کے مطالعے سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ مجدد الف ثانی نے حق گوئی میں جرأت اور دلیری سے کام لیا اور کسی کی رضا یا ناراضی کو خاطر میں نہ لایا۔ جب انہوں نے اپنے بھائی کو دنیا کی محبت میں گرفتار پایا تو بغیر کسی مصلحت کے دوٹوک انداز میں نصیحت فرمائی: "اے بھائی! لوگ گردونواح سے دنیاوی اسباب ترک کر کے چیونٹیوں اور ٹڈیوں کی طرح (سرہند) آرہے ہیں، اور تم اپنے گھر کی اس دولت کی قدر نہ جانتے ہوئے کمینی دنیا کی طلب میں بڑے مزے سے باہر دوڑتے پھر رہے ہو، اور بڑی رغبت اور شوق سے اسے حاصل کرنے کے خواہاں ہو۔"[13] اس صراحت کا ایک اور مظہر اس وقت نظر آتا ہے جب ان تک یہ خبر پہنچی کہ ماوراء النہر میں بعض لوگوں نے سلسلہ نقشبندیہ میں نئے طریقے رائج کر لیے ہیں، مثلاً تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا، ذکرِ جہری اور سماع کو رواج دینا جو کہ اکابرِ طریقت کے طریقے کے خلاف تھا۔ اس پر انہوں نے اپنے دادا مرشد کے صاحبزادے، خواجہ محمد قاسم، کو لکھا: "عجیب سی بات ہے کہ ماوراء النہر کے شہروں میں، جہاں علماء حق کا مسکن اور مرکز ہیں،

اس طرح کی بدعتیں رائج ہو گئی ہیں اوراس طرح کی نئی نئی باتوں کا شہرہ ہو گیا ہے اور یہ شائع ہو گئی ہیں۔ حالاں کہ ہم فقیر ان علماء حق کی برکات سے شرعی علوم کا استفادہ کرتے ہیں۔"[14]

حضرت مجددؒ کے مکتوبات میں پیش کردہ فکری نظام

مجدد الف ثانی کا فکری نظام شریعت کی اساس پر قائم ایک منظم تصوفی ڈھانچہ پیش کرتا ہے، جو وحدت الشہود کے نظریے، عالم خلق وامر کی حکیمانہ تقسیم اور شریعت کے ساتھ تصوف کے ہم آہنگ تعلق پر استوار ہے۔ یہ نظام عقیدہ، فکر اور روحانی معرفت کے درمیان ایک متوازن ربط قائم کرتا ہے۔

الف) نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ وحدت الشہود

نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود تصوف کے دو معروف اور اہم نظریے ہیں۔ نظریۂ وحدت الوجود کو توحیدِ وجودی یا ہمہ اوست بھی کہا جاتا ہے، جس کے تحت اللہ کی ذات کے سوا ہر چیز کو معدوم سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، نظریۂ وحدت الشہود کو توحیدِ شہودی یا ہمہ از اوست بھی کہا جاتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا تمام مخلوقات کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ مجدد الف ثانی کے نزدیک، وحدت الوجود کا مطلب محض اللہ کی ذات کو دیکھنا اور باقی سب کو معدوم سمجھنا ہے، جبکہ وحدت الشہود میں اللہ کے سوا دیگر اشیاء کے وجود کو تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن اصل توجہ اور مقصد صرف اللہ کی ذات کا شہود اور مشاہدہ ہوتا ہے۔[15] اس کی تمثیلی وضاحت انہوں نے یوں کی کہ جیسے سورج کی روشنی میں ستارے دکھائی نہیں دیتے، لیکن ان کا سورج سے الگ وجود ہوتا ہے۔[16] مجدد الف ثانیؒ نے اپنے بارے میں لکھا کہ ابتدائی طور پر نہ صرف وہ خود بلکہ ان کے مرشد حضرت باقی باللہؒ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے، اور اپنے مکتوبات میں اس کا اظہار فرمایا کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی کمال عنایت سے اس مقام سے بلند تر مقام، یعنی وحدت الشہود، تک ترقی عطا فرمائی۔[17]

مجدد الف ثانی نے تصوف کے دونوں نظریات کا تقابل کرتے ہوئے کہا ہے کہ وحدت الوجود کی کیفیت سالک کے سلوک کی ابتدا ہوتی ہے، جو بعد ازاں وحدت الشہود کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے۔[18] نظریہ وحدت الوجود میں سالک کو علم الیقین کا درجہ حاصل ہوتا ہے، لیکن یہ نظریہ عقل اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بعض پہلوؤں سے متنازع ہے۔ بعض بزرگانِ دین جیسے ابنِ منصور حلاج نے اس کیفیت میں خلافِ شریعت اقوال کہے، مثلاً "أنا الحق" اور "سبحانی ما أعظم شانی"، جو ان کی روحانی کیفیت کے غلبے کے باعث تھے۔ ان کے نزدیک یہ اقوال اس بات کی علامت تھے کہ وہ اللہ کے جلووں میں محو تھے، لیکن ان اقوال کی تقلید نہیں کی جاتی اور بزرگوں کو ان کی خاص حالت میں معذور سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس، نظریہ وحدت الشہود

میں سالک اللہ کے فضل سے حق الیقین کے درجے پر پہنچتا ہے، وہ وصل و قرب کی ایسی حالت میں ہوتا ہے جہاں حیرت، جہالت اور نادانی جیسی کیفیات پیدا ہوتی ہیں جو بیان سے بالاتر ہوتی ہیں۔[19]

ب) آفات نفس اور ان کا علاج

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مطابق دل کا اللہ کے سوا کسی اور سے وابستہ ہونا مرض نفسی ہے جو تمام باطنی بیماریوں کی اصل جڑ ہے۔ جب تک انسان اس بیماری سے نجات حاصل نہ کرلے، اسے قلب کی حقیقی سلامتی میسر نہیں آسکتی۔[20] اس باطنی فساد کی بنیاد نفسِ امارہ ہے، جو دنیاوی جاہ و منصب کی محبت سے جنم لیتا ہے اور اس کا مقصد دوسروں پر برتری حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ نفس اولاد، مال، مرتبہ اور تمام خواہشات کو صرف اپنی ذات کے لیے چاہتا ہے، یہاں تک کہ اس کی نفسانی خواہشات ہی اس کا معبود بن جاتی ہیں۔ وہ اپنے فاسد خیالات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ سے دشمنی مول لے لیتا ہے اور رب تعالیٰ کی عبادت کے بجائے اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے۔ بعض اوقات تو وہ اللہ کے ساتھ شرکت کا دعویٰ کرتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ یہ فساد ایک ذاتی مرض ہوتا ہے، جب کہ شیطان کی طرف سے آنے والا وسوسہ عارضی ہوتا ہے، جس کا علاج نسبتاً آسان ہے، اگرچہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنا بعض اوقات دشوار ہو جاتا ہے۔[21] نفس کے مرض میں مبتلا شخص کے لیے شرعی احکام پر عمل نہ صرف دشوار ہو جاتا ہے بل کہ صدق دل سے اسلامی تعلیمات پر یقین رکھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔[22]

ج) راہ طریقت: عالم امر اور عالم خلق

مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان فاصلہ درحقیقت صرف دو قدم کا ہے، جنہیں تصوف کی اصطلاح میں عالمِ امر اور عالمِ خلق کہا جاتا ہے۔ عالمِ امر سے مراد وہ جہان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم "کن" سے فوری طور پر تخلیق فرمایا، جیسے فرشتے، ارواح وغیرہ۔ اس کے برعکس، عالمِ خلق وہ جہان ہے جس کی تخلیق تدریجی مراحل سے ہوئی، جیسے انسان، زمین، آسمان وغیرہ۔ انسان کے وجود میں ان دونوں جہانوں، یعنی عالمِ امر اور عالمِ خلق، کے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ انسان کے جسم میں روح کا تعلق عالمِ امر سے ہے، جبکہ اس کے باقی اجزاء، مثلاً ہوا، پانی، آگ، مٹی اور نفس، عالمِ خلق سے تعلق رکھتے ہیں۔

اگرچہ روح کا تعلق پورے انسانی جسم سے ہوتا ہے، تاہم تصوف کی اصطلاح میں اسے سینے کے پانچ مخصوص مقامات سے گہرا تعلق حاصل ہے، جنہیں 'لطائف' کہا جاتا ہے۔ یہ لطائف: قلب، روح، سری، خفی اور اخفی کہلاتے ہیں۔ ان لطائف کے نام صوفیائے کرام کے اجتہادات پر مبنی ہیں، اگرچہ ان کے مفاہیم کا ذکر قرآن و سنت میں اشارۃً موجود ہے۔ ان کی جسمانی ترتیب یوں بیان کی جاتی ہے کہ لطیفہ قلب بائیں پستان سے دو انگشت نیچے، لطیفہ روح دائیں پستان سے دو انگشت نیچے، لطیفہ سری بائیں

پستان سے دو انگشت اوپر، لطیفہ خفی دائیں پستان سے دو انگشت اوپر، اور لطیفہ اخفی سینے کے وسط میں واقع ہوتا ہے۔ مجدد الف ثانی اس بارے میں لکھتے ہیں: " ان پانچوں لطائف کی اصلوں کا ظہور عرش کے اوپر ہے جو لامکانیت سے موصوف ہے۔"[23]

نقشبندی سلسلے میں شیخِ کامل کی روحانی توجہ کے ذریعے یہ لطائف بیدار ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں سالک پر انوار و تجلیات کا ورود ہوتا ہے اور وہ روحانی کشش، جذب، تپش اور حرارت جیسی کیفیات محسوس کرتا ہے۔ یہ روحانی کیفیت "ولایتِ صغریٰ" کہلاتی ہے۔ اس مرحلے پر سالک کو انبیائے کرام علیہم السلام کی ولایت سے روحانی فیض حاصل ہوتا ہے: لطیفہ قلب سے حضرت آدمؑ، لطیفہ روح سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ، لطیفہ سری سے حضرت موسیٰؑ، لطیفہ خفی سے حضرت عیسیٰؑ، اور لطیفہ اخفی سے حضور اکرم ﷺ کی ولایت کا اسے فیض نصیب ہوتا ہے۔[24]

جب سالک کے وجود میں عالمِ امر اور عالمِ خلق، دونوں کے لطائف بیدار ہو جاتے ہیں تو اس کے سامنے ستر ہزار حجابات اٹھ جاتے ہیں۔ وہ فنا کی منزل طے کر کے "ولایتِ کبریٰ" کی طرف سفر کا آغاز کرتا ہے، جہاں اس کا نفس "مطمئنہ" کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس مرحلے پر اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے ظلال و عکس سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ اگر اسے مزید روحانی عروج نصیب ہو تو وہ شئوناتِ ربانیہ کے ظلال سے فیض یاب ہوتا ہے، پھر اسماء وصفات سے براہِ راست فیض حاصل کرتا ہے، اور آخرکار تجلیاتِ ذات سے فیضیاب ہوتا ہے، جو روحانی معراج کی بلند ترین منزل ہے۔[25]

عالمِ امر کے ہر لطیفہ میں ذکر کے دوران سالک پر مختلف رنگوں کے انوار اور تجلیات ظاہر ہوتی ہیں، جو روحانی ترقی کے مختلف مراحل کی عکاسی کرتے ہیں۔ پہلے لطیفہ میں سرخ، دوسرے میں زرد، تیسرے میں سبز، چوتھے میں نیلگوں، اور پانچویں لطیفہ میں سیاہ رنگ کے انوار جلوہ گر ہوتے ہیں۔[26] ہر لطیفہ کے ذکر سے اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفات کا ظہور ہوتا ہے، جیسے لطیفہ قلب پر صفاتِ فعلیہ، لطیفہ روح پر صفاتِ ذاتیہ، لطیفہ سری پر شئونات، لطیفہ خفی پر صفاتِ سلبیہ، اور لطیفہ اخفی پر اللہ تعالیٰ کی جامع صفات کی تجلیات نازل ہوتی ہیں۔[27] یہ تمام مراحل شاہراہِ کمالاتِ ولایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس راہ میں سالک، روحانی وسیلہ -یعنی شیخ کی صحبت، باطنی تعلق، اور سلوک کی منازل- کے ذریعے فیوض و برکات حاصل کرتا ہے۔ تاہم، اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی سالک کو اس ظاہری واسطہ کے بغیر براہِ راست شاہراہِ کمالاتِ نبوت پر فائز کر دیا جائے، جہاں وہ انبیاء علیہم السلام سے بلاواسطہ فیض حاصل کرتا ہے۔ اس مقام پر شیخ، رابطہ، اور سلوک کی تدریجی منازل کا معمولی نظام باقی نہیں رہتا۔ نیز، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی سالک ابتدا میں شاہراہِ ولایت پر ہو، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُسے کمالاتِ نبوت کی راہ پر گامزن فرمادے۔[28]

د) شریعت وطریقت کاتوازن

مجد دالف ثانیؒ کے نزدیک تصوف وسلوک کی راہ کا آغاز درست عقیدے سے ہوتا ہے، اس کے بعد شرعی احکام کی مکمل پابندی ضروری ہے، اور پھر اعمال میں اخلاص پیدا کرنا لازم ہے۔ اخلاص کے حصول کا مؤثر ذریعہ بزرگانِ دین کی صحبت ہے، کیونکہ یہی صحبت انسان کو روحانی بالیدگی عطا کرتی ہے۔ یوں ان کے نزدیک تصوف وسلوک دراصل اخلاصِ عمل کے حصول کا نام ہے۔[29] اس اعتبار سے تصوف، شریعت کا خادم اور اس کی تکمیل میں معاون ہے۔ شریعت وطریقت دونوں کا بنیادی مقصد تزکیۂ نفس ہے، جس کے ذریعے انسان باطنی امراض سے نجات پاتا ہے۔ صوفیہ اپنے کشف والہام کے ذریعے شرعی احکام کی تائید کرتے ہیں، جبکہ شریعت ان احکام کو واضح اور مفصل انداز میں پیش کرتی ہے۔ اگرچہ اسلام کا عمومی مزاج آسانی پر مبنی ہے، لیکن جب انسان نفس وباطن کی بیماریوں میں مبتلا ہو جائے تو شرعی احکام پر عمل دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات میں تصوف وسلوک کی روحانی تربیت انسان کو ان رکاوٹوں سے نکال کر شریعت پر عمل کے قابل بناتی ہے۔ اگر تصوف کو وضو سے تشبیہ دی جائے، جو ظاہری ناپاکی کو زائل کرتا ہے، تو شریعت نماز کی مانند ہے، جو حکمی اور باطنی نجاستوں کو ختم کرتی ہے۔ یوں شریعت کے ظاہری اعمال باطن کی اصلاح کا ذریعہ بنتے ہیں، اور باطن کی پاکیزگی شریعت پر عمل کو مزید مضبوط کرتی ہے۔ اس طرح شریعت اور تصوف باہم مل کر انسان کی دینی اور روحانی زندگی کو مکمل کرتے ہیں۔[30]

ر) کشف کی حقیقت اور اقسام

تصوف کی راہ میں سالک کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت سے کشف کی دولت نصیب ہوتی ہے، جس کے ذریعے اسے پوشیدہ یا غائبانہ امور کی خبر حاصل ہوتی ہے۔ تاہم، کشف کی حیثیت ظنی ہوتی ہے، یعنی اس پر کامل یقین صرف اسی وقت ممکن ہے جب وہ شریعت کے اصولوں اور اہلِ سنت کے معتبر علما کی آراء کے مطابق ہو۔ اگر کوئی کشف شریعت کے خلاف ہو، تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا۔

کشف کی کیفیات مختلف لوگوں میں مختلف انداز سے ظاہر ہوتی ہیں۔ بعض کو اللہ تعالیٰ اپنا قرب بھی عطا فرماتا ہے اور غیبی امور کی خبر بھی دیتا ہے۔ بعض کو صرف قربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے لیکن غیبی علوم عطا نہیں کیے جاتے۔ جبکہ کچھ افراد ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں غیبی امور کی اطلاع تو دی جاتی ہے، لیکن قربِ الٰہی سے محروم رکھے جاتے ہیں۔ یہ آخری قسم کے لوگ اہلِ استدراج میں شمار ہوتے ہیں۔ نفس کی ظاہری صفائی یا مجاہدے کی بناء پر وہ غائبانہ کشف کی کیفیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، مگر چونکہ ان کے کشف کا سرچشمہ قربِ الٰہی نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کا باطن شریعت کے تابع ہوتا ہے، اس لیے یہ کشف درحقیقت ان کے لیے گمراہی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔[31]

کشف کی دو بنیادی اقسام ہیں: پہلی قسم ان علوم و معارف پر مشتمل ہوتی ہے جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات سے متعلق ہوتے ہیں، اور یہ خاص اولیاء کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے، جن میں خطا کا امکان نہیں ہوتا۔ دوسری قسم وہ ہے جو مخلوق سے متعلق انکشافات پر مبنی ہوتی ہے، جن میں غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس خطا کی وجہ صرف شیطانی وسوسے نہیں ہوتے، بلکہ بعض اوقات سالک کی قوتِ متخیلہ اور اس کے ذہن میں موجود سابقہ تصورات بھی کشف کے مندرجات کو متاثر کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں اس میں غلطی کی گنجائش باقی رہتی ہے۔ چنانچہ کشف کی صداقت کا معیار یہ ہے کہ وہ شریعت کے اصولوں اور اہلِ سنت کے معتبر علما کی آراء کے مطابق ہو، اور اسی لیے کشف کو کبھی بھی قطعی یا حتمی حجت نہیں سمجھا جا سکتا۔[32]

س) مجدد الف ثانی کا نظریہ کرامت

مجدد الف ثانی کے نزدیک کرامات نہ تو ولایت کے ارکان میں شامل ہیں اور نہ ہی اس کی شرائط میں سے، بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہیں۔ کسی ولی سے خوارقِ عادت کا بکثرت ظہور اس کی افضلیت کی دلیل نہیں، کیونکہ ولایت کا اصل دار و مدار کرامات کی کثرت پر نہیں، بلکہ قربِ الٰہی، تقویٰ اور معرفت پر ہے۔ اگرچہ امت کے بعض اولیاء سے کرامات کا اظہار ہوا ہے، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی کرامات شاذ و نادر ہی ظاہر ہوئیں، اس کے باوجود ان کا مقام و مرتبہ تمام اولیاء سے کہیں بلند ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرامات کی کثرت، ولایت کا معیار نہیں بن سکتی۔ دراصل خوارق پر نظر رکھنا تقلیدی استعداد کے کم ہونے کی علامت ہے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ چونکہ اعلیٰ درجے کی تقلیدی استعداد رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے نبوت کی تصدیق میں کسی ظاہری دلیل یا معجزے کی حاجت محسوس نہ کی، جب کہ ابو جہل جیسا شخص، جو اس استعداد سے محروم تھا، روشن آیات اور معجزات کے باوجود نبوت کی سچائی کو نہ مان سکا۔[33]

مجدد الف ثانی کے نزدیک کرامات کے بکثرت ظہور کی دو بنیادی وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ بعض افراد تصوف و سلوک کی راہ میں مقامِ عروج تک پہنچ جاتے ہیں، اور اسی حال اور روحانی بلندی کے درجے میں ان سے کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ کچھ اہلِ سلوک، اعلیٰ روحانی مقامات حاصل کرنے کے بعد خلقِ خدا کی ہدایت اور اصلاح کے لیے نزول اختیار کرتے ہیں۔ اگر یہ نزول مکمل نہ ہو اور وہ ظاہری اسباب پر کم انحصار کریں، تو ان کا کامل توکل مسبّب الاسباب، یعنی اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہے۔ اس توکل اور نیت کے اخلاص کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کے گمان اور نیت کے مطابق معاملہ فرماتا ہے، جس کے باعث ان سے زیادہ کرامات ظاہر ہوتی ہیں۔[34]

نتائج تحقیق

تحقیق کے دوران مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کے تفصیلی مطالعے اور تجزیے سے درج ذیل بنیادی نتائج سامنے آئے ہیں:

1. مجدد الف ثانیؒ نے تصوف کا ایک ایسا متوازن نظام پیش کیا جو شریعت اور معرفت کو ہم آہنگ کرتا ہے، جس کی بنیاد وحدت الشہود پر ہے۔
2. مکتوباتِ مجددیہ ہر سطح کے سالکین کیلئے فکری و روحانی رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور تربیتِ باطن کا جامع نصاب ہیں۔
3. وحدت الشہود کا نظریہ امام ربانیؒ کی فکری بلندی کا مظہر ہے، جو وحدت الوجود سے بلند تر اور شریعت کے قریب تر ہے۔
4. نفسِ امّارہ کو امام ربانیؒ نے باطنی فساد کی جڑ قرار دیا اور اس کے علاج کیلئے ذکر و مجاہدہ کو ضروری بتایا۔
5. عالمِ خلق و امر کے فرق اور لطائف کے نظام کے ذریعے روحانی ترقی کا نقشہ واضح کیا گیا۔
6. تصوف کو شریعت کا خادم قرار دے کر تصوف و سلوک کو شرعی اطاعت کے تابع بنایا گیا۔
7. کشف و کرامت کی حیثیت کو ظنی اور مشروط قرار دیتے ہوئے شریعت کو ان کا معیار بتایا گیا۔

حوالہ جات:

---

[1]۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ دین کی تجدید اور احیائے شریعت کے لیے ایسے افراد کو پیدا فرماتا ہے جو دین کو زمانے کی آمیزشوں اور بدعات سے پاک کرتے ہیں۔ مجدد الف ثانیؒ بھی ان ہی برگزیدہ شخصیات میں سے ہیں۔ آپ کو "مجدد الف ثانی" اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کا دورِ ظہور رسول اکرم ﷺ کے وصال کے ایک ہزار سال بعد، یعنی دوسری ہجری صدی کے آغاز میں ہے۔ آپ نے تجدید دین کے میدان میں ایسی نمایاں خدمات سرانجام دیں کہ یہ لقب آپ کی شناخت بن گیا، حتیٰ کہ بہت سے لوگ آپ کا اصل نام تک نہیں جانتے۔ آپ کی اصلاحی اور تجدیدی کوششوں کا اثر نہ صرف برصغیر تک محدود رہا، بلکہ عرب دنیا تک بھی پہنچا۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، مولانا منظور احمد نعمانی (کراچی: دارالاشاعت، بلا تاریخ)، 19۔ 25۔

[2] ۔ مولانا یعقوب کشمیر کے ایک معزز اور علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ ظاہری تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ سمرقند تشریف لے گئے، جہاں انہوں نے شیخ حسین خوارزمی کے ہاتھ پر طریقت میں بیعت کی۔ واپسی پر بے شمار اہلِ دل نے اُن سے روحانی فیض حاصل کیا۔ کچھ عرصے بعد وہ خراسان کے راستے حجاز روانہ ہوئے، جہاں انہوں نے علامہ حجر عسقلانی سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ جب وہ دوبارہ کشمیر واپس تشریف لائے، اُس وقت چک خاندان کی حکومت تھی اور سنی و شیعہ اختلافات شدت اختیار کر چکے تھے۔ ان حالات میں ایک سنی عالم قاضی کو صرف اس بنا پر شہید کر دیا گیا کہ وہ شیعہ طرز پر خطبہ پڑھنے سے انکاری تھا۔ اس نازک صورتِ حال میں شیخ یعقوب شہنشاہ اکبر کے دربار میں حاضر ہوئے اور کشمیری عوام کی طرف سے کشمیر کو مغلیہ سلطنت میں شامل کرنے کی دعوت پیش کی۔ اکبر، جو پہلے ہی اس موقع کی تلاش میں تھا، نے 1586ء میں اپنی افواج کشمیر روانہ کر دیں۔ تفصیل کے لیے مطالعہ کریں: اکرم، شیخ محمد۔ رودِ کوثر. لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، سنِ اشاعت ندارد، 265۔

[3]۔ شیخ احمد سرہندی، مکتوبات امام ربانی، دفتر اول: دار المعرفت، ترجمہ قاضی عالم الدین نقشبندی، تہذیب وتسہیل عبد الستار طاہر مسعودی، معلومات ابتدائیہ از ڈاکٹر محمد مسعود احمد (لاہور: شبیر برادرز، اردو بازار، 2021)، 51-53 ؛ بدرالدین سرہندی، *حضرات القدس*، جلد دوم، ترجمہ وترتیب: محمد اشرف نقشبندی (سیالکوٹ: مکتبہ عثمانیہ، اقبال روڈ، جمادی الاول ۱۴۰۱ھ)، 137–232۔

[4] ۔ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، جن کا اصل نام محمد باقی تھا، 1563ء میں کابل کے ایک علمی وروحانی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد قاضی عبدالسمیعؒ سے حاصل کی، پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے سمرقند و بخارا کا سفر کیا، جہاں آپ نے جید اساتذہ سے ظاہری و باطنی علوم حاصل کیے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی روحانی خلافت آپ کو حضرت خواجہ امکنگیؒ سے حاصل ہوئی۔ بعد ازاں آپ نے دہلی میں قیام فرمایا، جہاں آپ کی روحانی مجلسیں اہلِ دل کے لیے مرکزِ نور بن گئیں۔ آپ کا اندازِ تصوف ذکرِ خفی، اتباعِ سنت، اور فنا فی الرسول پر مبنی تھا، جو شریعت و طریقت کا حسین امتزاج تھا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ (شیخ احمد سرہندیؒ) 1598ء میں دہلی حاضر ہوئے اور حضرت باقی باللہؒ کی خدمت میں بیعت کی۔ مورخین کے مطابق حضرت مجددؒ کی حضرت باقی باللہؒ سے تین ملاقاتیں ہوئیں، جن میں وہ سلوک و معرفت کے اعلیٰ مدارج طے کر گئے۔ اگلے ہی سال یعنی 1599ء میں حضرت باقی باللہؒ نے حضرت مجددؒ کو خلافت و اجازت سے سرفراز فرمایا اور فرمایا" :احمد ہمارے بعد اس سلسلے کا احیاء کرے گا"۔ حضرت مجددؒ خلافت کے بعد سرہند واپس تشریف لے گئے، جہاں انہوں نے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کو وسعت دی اور تجدید دین کا عظیم فریضہ انجام دیا۔ حضرت باقی باللہؒ کا وصال 1603ء میں دہلی میں ہوا، مگر ان کا روحانی فیضان آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ تفصیل کے ملاحظہ کیجئے: سرہندی، حضرات القدس، ج 2، 22 - 27 ؛ سیرت حضرت باقی باللہؒ، از مولانا سید محمد صابر شاہ نقشبندی، 45–52، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی۔

[5] ۔ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، ترجمہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (سیالکوٹ: مکتبہ نعمانیہ، 1407ھ)، 120–130؛ اکرم، رودِ کوثر، 290۔291۔

[6] ۔ حضرت مجدد الف ثانی پر ایک اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے شیخ عبد القادر جیلانی کے مقام کی نفی کی، خاص طور پر ان کے قول کہ 'ان کے قدم تمام اولیا کی گردن پر ہیں'۔ مجدد صاحب نے وضاحت کی کہ اس سے مراد اس وقت کے اولیا ہیں، نہ کہ تمام مقدم یا مؤخر اولیا۔ انہوں نے کہا کہ شیخ عبد القادر جیلانی شاہراہِ کمالاتِ ولایت کے سرخیل ہیں، اور کوئی بندہ ان کے وسیلہ کے بغیر اس ولایت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا، جبکہ کمالاتِ نبوت کی شاہراہ میں انسان کو ان کے وسیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح، مجدد الف ثانی کی اس بات پر اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے اپنے مقام کو حضرت صدیق اکبر سے بلند قرار دیا۔ مجدد صاحب نے جواب دیا کہ انہوں نے اپنی حالت اور کیفیت اپنے شیخ کے سامنے بیان کی، جو ایک ضروری عمل ہے کیونکہ شیخ ہی اس کی تعبیر یا تصحیح کر سکتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جزوی فضیلت کلی فضیلت کو کم نہیں کرتی، بلکہ اصل فضیلت کلی ہی ہے۔ مثال کے طور پر، ایک شہید شہادت کے جزو میں نبی سے افضل ہو سکتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ نبی کا مقام کم ہو جاتا ہے۔ اصل مقام 'حصول' ہے، نہ کہ 'مقامِ وصول'۔ مقامِ وصول کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کو آئینے میں دیکھنا، جب کہ حصول سورج کی جگہ تک پہنچنا ہے۔ تفضیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات، مکتوب نمبر 123, جلد سوم؛ مکتوب نمبر 192, جلد اول؛ اور مکتوب نمبر 208, جلد اول۔

[7] ۔ مولانا نسیم احمد فریدی۔ تجلیات ربانی: تلخیص مکاتیب امام ربانی۔ لکھنؤ: کتب خانہ الفرقان، 1978، مقدمہ۔

[8] ۔ کشمی، زبدۃ المقامات۔6۔

[9] ۔ مسعود احمد، مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال (کراچی: ضیاء الاسلام پبلیکیشنز، 1980)، 12۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کی تعلیم وتربیت ان کے دادا شیخ عبد الاحد اور روحانی رہنمائی حضرت خواجہ باقی باللہ نے کی، عقلی و نقلی علوم میں مہارت حاصل کر کے وہ تدریس میں مشغول ہوئے اور چوبیس سال کی عمر میں وفات پا گئے، ان کا اکلوتا فرزند شیخ محمد مجذوب تھا۔ دوسرے بیٹے، خواجہ محمد سعید، بچپن سے ہی تقویٰ و پرہیزگاری کا پیکر تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم والد اور بڑے بھائی سے حاصل کی، اور مزید دینی علوم حضرت طاہر لاہوری سے سیکھے۔ فراغتِ تعلیم کے بعد تدریسِ علومِ دینیہ میں مصروف ہو گئے انہیں اورنگزیب کے دور میں شاہجہان آباد طلب کیا گیا، مگر بیماری کے باعث راستے میں وفات پا گئے۔ ان کے آٹھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ تیسرے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم، جو اپنے والد کے علمی وروحانی وارث تھے، سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا، دینی تعلیم مکمل کرنے کے بعد باطنی تزکیہ کی جانب متوجہ ہوئے اور والد کی جانب سے مقامِ قیومیت سے نوازے گئے، ان کی شہرت ہندوستان سے لے کر شام، فلسطین اور یمن تک پھیلی اور ان کے مکتوبات تصوف، سلوک اور شریعت پر مشتمل ہیں جو مکتوباتِ مجدد الف ثانی کی شرح کے مترادف ہیں۔ ان کے چھ بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ چوتھے صاحبزادے خواجہ محمد یحییٰ پر ان کے والد خصوصی شفقت فرماتے تھے اور وہ اپنے کردار و گفتار میں والد کے مشابہ تھے، ان کی اولاد میں ایک بیٹا اور تین بیٹیاں تھیں۔ پانچویں بیٹے، خواجہ محمد فرخ، گیارہ سال کی عمر میں، چھٹے فرزند، محمد عیسیٰ، آٹھ سال کی عمر میں، اور ساتویں فرزند، محمد اشرف، دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ بیٹیوں میں بی بی رقیہ شیر خوارگی میں اور اُمِّ کلثوم چودہ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں، جبکہ تیسری بیٹی نے طویل عمر پائی اور تین بیٹوں اور سات بیٹیوں کی ماں بنی۔ ملاحظہ کریں: نسیم احمد فریدی، "تذکرہ خلفائے مجدد الف ثانی"،

تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی، مولانا منظور احمد نعمانی (کراچی: دار الاشاعت، بلا تاریخ)، 304–311؛ محمد داوٗد پسروی، سیرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی (کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، طبع جدید، 1409ھ)، 200–245۔

[10] ۔حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مشہورِ زمانہ مکتوبات کے علاوہ عربی اور فارسی زبان میں بھی متعدد علمی و فکری رسائل تحریر کیے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں فارسی زبان میں رسالہ ردّ روافض تصنیف کیا، جس میں اہل تشیع کے عقائد کا مدلل رد کیا گیا، اور ممکن ہے کہ اس نقطۂ نظر کی تشکیل یا تقویت میں ان کے استاد مولانا یعقوب کشمیری کا بھی کردار رہا ہو۔ عربی زبان میں انہوں نے رسالہ اثبات النبوۃ تحریر کیا، جسے بعض نسخوں میں تحقیق النبوۃ کے نام سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ چوالیس صفحات پر مشتمل یہ رسالہ نبوت، معجزہ، نبوت کی حقیقت و ضرورت، اور خاتم النبیین ﷺ کی نبوت کے اثبات پر مشتمل ہے۔ اسی طرح عربی ہی میں انہوں نے رسالہ تہلیلیہ تصنیف کیا، جو بیس سے بائیس صفحات پر مشتمل ہے، جس میں کلمہ طیبہ کے مختلف اجزاء پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے؛ ابتدا "لا" کی تشریح سے کی گئی، پھر لفظ "اللہ" کی توضیح کی گئی، وحدانیتِ الٰہی کے دلائل بیان کیے گئے، اور آخر میں کلمہ طیبہ کے فضائل کا ذکر کیا گیا۔ ان کے عربی رسائل میں مبدا و معاد بھی قابل ذکر ہے، جس میں معرفتِ الٰہیہ کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے، شریعت و طریقت میں ہم آہنگی کو اجاگر کیا گیا ہے اور ان نام نہاد صوفیانہ رجحانات کی تردید کی گئی ہے جو شریعت کے خلاف ہیں۔ کشمی زبدۃ المقامات، 27؛ اکرم، رودِ کوثر، 230 ۔274۔

11۔ کشمی زبدۃ المقامات، 6۔

[12] ۔محمد عبد الستار طاہر مسعودی، *مکتوباتِ امام ربانی، دفتر اوّل* (مصنّف: شیخ احمد سرہندیؒ)، ترجمہ: قاضی عالم الدین نقشبندی، تہذیب و تسہیل: محمد عبد الستار طاہر مسعودی، معلوماتِ ابتدائیہ: ڈاکٹر محمد مسعود احمد (لاہور: شبیر برادرز، اردو بازار، 2021ء)، 44۔ 46۔

[13] ۔امام ربانی، مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 226۔

[14] ۔امام ربانی، مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 168۔

[15] ۔ایضا، مکتوب نمبر 43۔

[16] ۔ایضا، مکتوب نمبر 43۔

[17] ۔ایضا۔

[18] ۔امام ربانی، مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر 43۔

[19] ۔ایضا، مکتوب نمبر 43۔

[20] ۔ایضا، مکتوب نمبر 109۔

[21] ۔امکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 271۔

[22] ۔ایضا، مکتوب نمبر 219۔

[23] ۔مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 260۔

[24] ۔مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 260

[25] ۔ایضا، مکتوب نمبر 257؛ مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر 42۔

[26]. مکتوباتِ امام ربانی، جلد اول، مکتوب 22۔

[27]. ایضا، مکتوب نمبر 115، 253، 257۔

[28]. مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر 123۔

[29]. مکتوبات امام ربانی، جلد دوم، مکتوب نمبر 40۔

امام ربانی، مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 52 و 59 ؛ جلد دوم، مکتوب نمبر 46۔

[31]. مکتوبات امام ربانی، جلد دوئم، مکتوب نمبر 92۔

[32]. مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 107, 112۔

[33]. ایضا، مکتوب نمبر 107۔

[34] . مکتوبات امام ربانی، جلد اول، مکتوب نمبر 215۔